اخباری صحافت کے اردو زبان پر اثرات

ریاض قدیر

Abstract:

Media, which are primarily used to communicate the informative material from one man or place to another man or place, are of two types:

Print media

Electronic media

These media have played a far-reaching role in bringing drastic change in the ways of thinking and living of today's man. These changes begin from the middle of the 15th century (1454 AD) with the invention of printing press. The happenings in one society start to effect the other societies. Especially the impact of these cultural changes is all too visible on the language and literature of the dominated culture.

In this article an effort has been made to trace, through a careful study of Urdu newspapers, the impact of western and local culture on the Urdu language and literature.

میڈیا(MEDIA)، میڈیم Medium(ذریعہ) کی جمع ہے اصطلاحی معنوں میں میڈیا سے مراد وہ تمام ذرائع ابلاغ ہیں جو خبروں اور معلومات کو کسی ایک جگہ یا انسان سے کسی دوسری جگہ یا انسان تک پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو معلومات اور علمی مواد کو دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے وہ میڈیا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو طباعت کے ذرائع سے لے کر ریڈیو، ٹیلی ویژن انٹرنیٹ، سب کچھ میڈیا میں شامل ہے۔ دیگر معلوماتی ذرائع جن میں معلومات کو ذخیرہ کیا جاتا ہے (مثلاً ہارڈ ڈسک، سی ڈی، ویڈیوز وغیرہ) بھی میڈیا کا حصہ ہیں۔ گویا میڈیا سے مراد ابلاغ کی تمام صورتیں ہیں جو طباعت یا برقی رو کے ذریعے کسی بات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہیں۔

بنیادی طور پر میڈیا کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(ا) طباعتی ذرائع (Print Media)

(ب) برقی ذرائع (Electronic Media)

ابلاغ کے ان ذرائع نے پوری دنیا کے انسانوں کے تمدن اور طرزِ احساس میں دورس تبدیلیاں پیدا کی ہیں پندرھویں صدی عیسوی کے وسط (۱۴۵۴ء) میں چھاپہ خانہ (PRESS) کی ایجاد سے ان تبدیلیوں کا آغاز ہوا۔ اخبارات کی اشاعت اور ترسیل سے ایک ملک (معاشرہ) کے انسانوں اور تمدن کے احوال دوسرے ممالک کے انسانوں تک پہنچ کر ان کی زندگیوں کو تبدیل کرنے لگے اور ان تبدیلیوں کے اثرات دنیا کی مختلف زبانوں اور ادب پر بھی پڑنے لگے۔

انیسویں صدی کے آخر میں ذرائع ابلاغ (ریڈیو، ٹی وی، وائرلس وغیرہ) کی ایجاد نے ان تبدیلیوں کو تیز تر کر دیا اور پھر بیسویں صدی کے آخر تک آتے آتے برقی ذرائع ابلاغ (Electronic Media) نے پوری دنیا کو ایک گلوبل ولیج میں بدل کر رکھ دیا۔ اب ان برقی ذرائع ابلاغ کی بدولت پوری دنیا کے تمدن ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو چکے ہیں اور دنیا کی تمام زبانیں ایک دوسری سے گہرے اثرات قبول کر رہی ہیں۔

اس مضمون میں اردو زبان پر سونے والے ان اثرات کا جائزہ لیا جائے گا جو طباعتی ذرائع (Print Media) کی وساطت سے آئے ہیں۔

اردو زبان وادب کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس کے ابتدائی نمونے کتابت (خطّاطی) کی صورت میں موجود تھے اور ان کی رسائی محدود لوگوں تک تھی۔ ۱۶۲۴ء میں ہندوستان میں چھاپہ خانہ (Press) کی آمد سے اخبارات ورسائل کی اشاعت اور کتابوں کی طباعت کا آغاز ہوا انگریزی، فارسی، بنگالی اور ہندی زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب کے متنوع پیرایہ ہائے اظہار ہزاروں لاکھوں افراد تک پہنچنے لگے۔

اردو کا پہلا باقائدہ اخبار، اخبارِ اردو، دہلی سے ۱۸۳۶ء میں جاری ہوا۔ صادق الاخبار، سید الاخبار، اخبار عام اور پیسہ اخبار نے اردو زبان کو عام کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس سے قبل برصغیر پاک وہند کی علمی وتحریری زبان فارسی تھی۔ ان اخبارات نے عوام کی زبان میں عوام کو شعور دینے کا آغاز کیا اور اردو

خواص طبقے نے جدید علمی خیالات اور سماجی طرزِ احساس کو اپنی زبان میں ادا کرنے کے لیے اظہار کے متنوع پیرایوں کا استعمال کرنا سیکھا۔

بیسویں صدی میں جب برصغیر پاک وہند میں سیاسی بیداری کی لہر اٹھی اور آزادی کی تحریکوں نے زور پکڑنا شروع کیا تو ایسے میں الہلال انقلاب اور زمیندار جیسے اردو اخبارات نے عوام الناس میں جوش وولولہ پیدا کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ اردو زبان کی خوش قسمتی یہ ہے کہ ان اخبارات کے مدیران عام صحافی نہ تھے بلکہ بلند پایہ عالم اور صف اوّل کے ادیب بھی تھے یہ اصحاب عربی اور فارسی زبان وادب کی اس روایت کے پروردہ تھے جو اردو شعر و ادب کی روح رواں تھی۔ یہ تینوں اصحاب (مولانا ابوالکلام آزاد، عبد المجید سالک اور مولانا ظفر علی خاں) مشرقی شعر وادب کا اعلیٰ ذوق اور اردو کی لسانی نزاکتوں کا گہرا شعور رکھتے تھے۔ انہوں نے اردو زبان میں اظہار کی صلاحیتوں کے جُملہ امکانات کو بروئے کار لانے کے لیے اپنی ادبی ولسانی توانائی کو بھرپور انداز میں برتا اور اردو زبان کو اظہار کے نت نئے اور موثر پیرایوں سے آشنا کیا۔ فصاحت وبلاغت کے ساتھ املاء و تلفظ کے اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے ادب وانشاء کے ایسے اعلیٰ نمونے تخلیق کیے جو شعر وادب کے شاہکار قرار پائے اور صحافتی ادب کا معیار ٹھہرے۔ ابوالکلام کی نثر کے بارے میں حسرت موہانی نے یہ کہا۔

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظمِ حسرت میں بھی مزہ نہ رہا (۱)

صحافتی نثر میں عربی فارسی کی گھلاوٹ اور شعریت کی چاشنی ان کی تحریر میں ایک علمی شکوہ اور جمالیاتی سحر پیدا کرتی ہے۔ خاص طور پر جب فارسی شاعری کی شیرینی ابوالکلام کی اردو سے کندھا ملا کر چلتی ہے تو زبان کا لطف اور لہجے کا حسن دوچند ہو جاتا ہے۔ الہلال کی نثر کا ایک مختصر اقتباس ملاحظہ ہو۔

"لیکن قوم و ملّت کی خدمت کی راہ پھولوں کی سیج نہیں، جہاں آرام و راحت کی کروٹیں نصیب ہوں۔ اس راہ کی پہلی شرط قتلِ نفس اور جسمانی خواہشوں اور امیدوں کی قربانی ہے۔ یہاں عیش ولذائز کا سہرا باندھ کر نہیں بلکہ کفن کی چادر لپیٹ کر جانا چاہیے۔

ترک مال، و ترکِ جان و ترک سر
در طریق عشق اوّل منز لست"

"جس قدر سلطان کی طرف سے تعریف و توصیف بڑھتی جاتی تھی۔
اتنا ہی ان کا جوشِ اصلاح اور اعقنِ حق کا جہاد بھی بڑھتا جاتا تھا۔

تعزیر جُرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوق گُنہ یاں سزا کے بعد (۲)

اردو کا روز مرّہ اور محاورہ جو نثر آزاد کے معّرب و مفّرس لہجے کی بلند آہنگی میں دھیما سنائی دیتا ہے وہ مولانا ظفر علی خاں کے اخبار "زمیندار" میں سر اٹھاتا دکھائی دیتا ہے۔ ابو الکلام آزاد کی طرح مولانا ظفر علی خاں کی نثر پر عربی فارسی کا سایہ تو ہے۔ لہجے کا طنطنہ اور شکوہ بھی آزاد جیسا ہے۔ تاہم اردو روزمرہ اور محاورہ کی برجستگی نے ظفر علی خاں کی نثر کو زیادہ بلیغ بنا دیا ہے اور یہ اردو اب عوام کے زیادہ قریب آگئی ہے۔ ان کی نثر کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"ہم کس طرح اپنے دل کے خونچکاں ٹکڑوں کو دنیا کے سامنے رکھ دیں کہ ایک ایک آنکھ میں اشک ہائے غم کے دریا موجزن ہو جائیں۔ ہم کس طرح اپنے زخم ہائے جگر کے ٹانکے کھول دیں کہ ایک ایک قلب جذبات درد و الم کے طوفان سے معمور ہو جائے"

"حکومت خود اس وقت کو کھینچ کھینچ کر قریب لا رہی ہے جس میں حق و باطل اور خیر و شر کا آخری فیصلہ ہو گا اور وہ خاموش آگ التہاب و استعمال کے تمام اسباب و عوامل اپنے اندر جمع کر چکی ہے جس کی قیامت خیز لپٹ نہیں معلوم کس کس کی رخصتی کو اپنی سوزش و احتراق کی تماشاگاہ بنائے گی۔"(۳)

"زمیندار" کی نظموں کے اشعار، خبروں اور مضامین کے جملوں میں زبان زد عام ہونے کی خوبی نے اسے اپنے دور کا مقبول ترین اخبار بنا دیا تھا۔ عام مشاہدہ یہ ہے کہ مقبول شعراء کے اشعار اور مقبول ادباء کی تحریروں کا ادبی معیار قدرے پست ہوتا ہے۔ مگر زمیندار اپنے اعلیٰ ادبی معیار کے باوجود اپنے دور

کا مقبول ترین اخبار تھا۔اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ناخواندہ حضرات بھی اخبار خریدتے اور پھر خواندہ افراد کو کچھ معاوضہ دے کر ان سے خبریں اور مضامین پڑھوا کر سنتے۔

"انقلاب" کے مدیر مولانا عبد المجید سالک بھی اردو کے منجھے ہوئے ادیب اور زبان و بیان کی نزاکتوں کا گہرا شعور رکھنے والے صحافی تھے۔ ان کا ذوق سلیم اور بذلہ سنجی ان کی نثر کو خوشگواری، دل چسپی اور ادبی چاشنی سے مملو کرتی ہے۔ بیسویں صدی کی اردو صحافت انہی تینوں ادیبوں کے زیر اثر پروان چڑھی -ان تینوں اخبارات کی خاص بات صحت زبان کا شعور و احساس ہے۔ خصوصاً "زمیندار" نے صحتِ زبان کے جو معیارات قائم کئے وہ اردو صحافت کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ املاء، کتابت اور زبان کی درستی کے بارے میں مولانا ظفر علی خاں کس قدر حساس واقع ہوئے تھے اس کا اندازہ چراغ حسن حسرت کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے۔

> " مولانا کو اخبار کی زبان اور کتابت کی صحت (املاء) کا بڑا خیال رہتا تھا۔ کاتبوں کی جان الگ آفت میں، ایڈیٹر الگ مصیبت میں مبتلا۔ جب تک مولانا دفتر میں ہیں غل غپاڑہ مچا ہوا ہے، جوں ہی کاپی پر نظر پڑی شور مچ گیا۔ ارے یہ کیا کیا؟ یہ عبارت تو بالکل مہمل ہے۔ اس مراسلہ کی تصحیح نہیں ہوئی۔ خبروں کی عبارت چست نہیں۔ کتابت کی غلطیاں تو دیکھو ایک ایک کالم میں پچاس پچاس غلطیاں - اور کتابت کیسی عجیب ہوئی ہے کوئی دائرہ بھی تو صحیح نہیں۔ غضب خدا کا قرآن کی آیت غلط لکھ دی اتنا خیال بھی نہ آیا کہ کلام الٰہی ہے۔ ستیاناس کر دیا اخبار کا۔ ان تمام کاپیوں کو جلا دو از سر نو اخبار مرتب کرو"(۴)

اس دور کی صحافتی زبان عربی فارسی اور اردو کلاسیکی اردو ادب کی کے روزمرہ و محاورہ کے لطف سے لبریز ہے۔ امنگ، ولولہ، زندہ دلی اور بذلہ سنجی اس عہد کی اردو نثر کی روحِ رواں ہے۔ جس نے اردو زبان کو خاص د عام میں مقبول بنایا۔ اور برصغیر پاک و ہند میں اردو خواں طبقے کی ایک پوری نسل کو اردو کی تہذیب سے آشنا کیا۔

قیام پاکستان کے بعد الہلال، زمیندار اور انقلاب کے قائم کردہ لسانی معیارات کو نوائے وقت، امروز، کوہستان اور مشرق نے ایک حد تک قائم رکھا۔ صحافت میں ادبی چاشنی کی جو طرح الہلال، زمیندار

اور انقلاب نے ڈالی تھی، امروز اور نوائے وقت نے کئی دہائیوں تک اس کا بھرم رکھا——فیض احمد فیض اور چراغ حسن حسرت کی امروز سے وابستگی نے اس کے اخبار کے ادبی وقار میں اضافہ کیا۔ نوائے وقت میں بھی شعر وادب کے حوالے سے خاصے کی تحریریں چھپتی رہیں۔ روزنامہ جنگ اپنے ادبی صفحے کے حوالے سے اہل ادب کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ اسی کی دہائی تک اردو اخبارات کسی حد تک علم وادب کا بھرم رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر علمی وادبی سطح پر تیزی سے روبہ زوال پاکستانی معاشرہ کسی بھی میدان میں معیارات کو برقرار نہ رکھ سکا۔ جبر اور غیر یقینی صورت حال نے انتشار اور عدم تحفّظ کا احساس بڑھا دیا، عدم برداشت اور انتہا پسندی نے خوف اور شدّت کے روّیوں کو جنم دیا۔ جب لکھنے والے کے اندر خوف اور پیشانی پر تیوریاں ہوں تو لہجے اور تیور بگڑنے لگتے ہی۔ بے روزگاری کے حبس میں اخبارات کھمبیوں کی طرح اگنے لگے۔ ہر بوالہوس نے صحافت کا پیشہ اختیار کر لیا۔ اخبارات کے ہجوم اور صحافیوں کی بھیڑ میں صحافتی زبان کا کوئی معیار باقی نہ رہا۔

ادبی رچاؤ تو ایک طرف اخبارات کی اردو میں املاء کی اغلاط تک راہ پانے لگیں۔ مدیران جب معمولی اغلاط سے صرف نظر کرنے لگے تو معمولی غلطیاں فاش ہونے لگیں۔ احساسِ کمتری کے زیر اثر انگریزی الفاظ کا بے جا استعمال علم کی علامت بن گیا۔ انگریزی اُردو کے الفاظ کو ملا کر عجیب وغریب مرکبات بنائے جانے لگے۔ مثلاً نئے رولز، ترمیمی بل، معمولی ریلیف، کریشن کی شرح، معاشی ریفارمز، واک کرنا، موثر شو، پوزیٹو پہلو، ٹھوس ڈویلپمنٹ، حالیہ ریویو، کنکریٹ شہر، بڑی گیدرنگ، بے نامی ٹرانسنگشنز، آفیشل عہدہ، منّظم ایفرٹ، جیسے سیکڑوں نہیں ہزاروں الفاظ اردو اخبارات کی زینت بن چکے ہیں۔ اور اردو ایک چوں چوں کا مربہ زبان بن چکی ہے۔ محاورات میں تصرف اور روزمرہ سے انحراف بے دھڑک روا رکھا جاتا ہے۔ اس طرح اردو اپنی اپنے صوری وصوتی جمالیات کھو بیٹھی ہے۔

"نوائے وقت" پاکستان میں اردو کا سب سے قدیم اردو اخبار ہے اور اپنی صحافتی روایات (جس میں صحت زبان بھی شامل ہے) کے حوالے سے سب سے معتبر سمجھا جاتا تھا۔ اپنے ابتدائی دور سے لے کر بیسیویں صدی کے آخر تک "نوائے وقت" نے اردو زبان کے حوالے سے ایک معیار قائم رکھا۔ مجید نظامی کا کالم سر راہے۔ ایک مدت تک فصاحت وبلاغت اور شگفتگی کے پھول کھلاتا رہا۔ عطاء الحق قاسمی کا کالم روزن دیوار سے اپنی بعض لسانی لغزشوں کے باوجو اردو خواں حلقوں میں مقبول رہا۔ اسی طرح نوائے

وقت کا ادبی صفحہ بھی اردو زبان وادب کو عام حلقوں میں متعارف کروانے کا ذریعہ بنا رہا مگر افسوس سے کہنا ہی پڑتا ہے کہ اکیسویں صدی تک آتے آتے نو آموز لکھاریوں اور بہروپیا صحافیوں کے جھرمٹ میں اپنی لسانی و ادبی پہچان گم کر بیٹھا ہے۔ اتفاقی طور پر منتخب کیے گئے "نوائے وقت" کے دو کالم نگاروں کے دو مختلف مضامین کی اردو ملاحظہ کیجیے۔

> "ایک مثل مشہور ہے بڈھی گھوڑی لال لگام کہ جب عورت کے بچے جوان ہو جائیں اس کی عمر ڈھل جائے اور وہ پچاس برس کی ہو جائے تب بھی ہر وقت نیلے پیلے گلابی کپڑے پہنے زیورات اور میک اپ سے لدھی پھدی رہے تو لوگ مذاق اڑاتے ہیں۔ اس طرح کا ایک محاورہ ہے کہ باسی کڑی میں ابال آنا یہ دونوں محاورے بنے ہی ہمارے سیاستدانوں کے لیے کہ کوّا چلا ہنس کی چال اپنی چال ہی بھول گیا۔ ہمارے سیاستدان خدا جانے کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں کہ ان میں خواہشوں کا یہ انبوہ ان کی ذہنی، جسمانی، قلبی اور نفسیاتی شہوت کی عکاسی کرتا ہے۔ اس وقت پاکستان کے کم از کم سو سیاستدان ایسے ہیں جو کھرب پتی ہیں اور ارب پتی ہیں جبکہ ہزار ایسے ہیں جو ارب پتی یا اس کے قریب ہیں۔ مرے سے مرا سیاستدان بھی کروڑوں پتی ہے۔ عمران خان نے تو اَت مچا رکھی ہے۔"(۵)

یہ مسلسل اقتباس کالم نگار موصوفہ کے مضمون "کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے" سے لیا گیا ہے جس میں خیال کا ربط ناپید ہے۔ محاوروں کے استعمال کا جنون حد سے بڑھا ہوا ہے۔ لگتا ہے کہ مضمون محاوروں کے استعمال کا شوق پورا کرنے کے لیے لکھا گیا ہے۔ متعدد محاوروں کو اکٹھا کر کے انہیں سیاستدانوں سے جوڑ دیا ہے اور بے ربط عبارت آرائی کر دی ہے ستم یہ کہ محاورات کے ہاتھ پاؤں بھی توڑ دیئے ہیں۔ میک اپ سے لدھی پھُندی (زیورات سے لدنا پھندنا ہوتا ہے نہ کہ میک اپ سے) کروڑوں پتی (بجائے کروڑ پتی بڈھی گھوڑی (بجائے بوڑھی گھوڑی) موصوفہ لکھتی ہیں کہ محاورے بنے ہی ہمارے سیاست دانوں کے لیے ہیں "کوّا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا"۔ کوّا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا یہ محاورہ نہیں کہاوت ہے۔ اَت مچانا کوئی اردو محاروہ نہیں ۔ پنجابی محاورہ ہے "اَت چاؤنی "جس کے معنی ہیں اندھیر مچانا، حد سے تجاوز کرنا(٦)

شہرت کا تعلق اشتہا یا بھوک سے ہے۔ کالم نگار موصوفہ نے لفاظی کے شوق میں اسے قلبی نفسیاتی اور ذہنی سے جاملایا ہے۔ گویا

جا چکا الفاظ سے وہ کھیل کر

ہم پہ اترا ہے معانی کا عذاب

والی حالت ہے

یہ ۲۴ مئی ۲۰۲۳ء کے نوائے وقت میں شائع ہونے والا ڈاکٹر طاہر محمود بھلر کا مضمون بعنوان "نومئی امریکی نائن الیون یا واٹرلو" کی اردو اس سے بھی ٹوٹی پھوٹی ہے۔

(ب) "نو مئی دو ہزار تیس کا دن اس لحاظ سے اہمیت کا حامل رہے گا کہ اس دن ہمارے پاکستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ عوامی لیول پر فوجی تنصیبات، فوجی اداروں و عمارتوں پر گرپوں کی شکل میں عوام حملہ آور ہوتے نظر آئے۔ مختلف ویڈیوز میں جو بعد ازاں دیکھنے کو ملیں اس میں کور کمانڈر ہاؤس، لاہور پشاور ریڈیو سٹیشن، میانوالی اور جی ایچ کیو میں جتھوں کی شکل میں لوگ آگ لگاتے ہوئے قومی ہیروز کے مجسمے گراتے ہوئے دیکھنے کو ملے۔ پاکستان میں پہلے سے کئی دہائیوں سے قرضوں کی بھرمار مخدوش مالی صورت حال اور دہشت گردی اور دھماکے عوام کو ہراس زدہ اور خوف و ہراس میں مبتلا کیے ہوئے ہیں۔ ہر چند دنوں کے بعد کوئی نہ کوئی انہونی واردات یاد ہشت گردی کا واقعہ ضرور رونما ہو رہا ہوتا ہے۔ ان تمام کرداروں کو کوئی کمیشن، صفحہ قرطاس پر کبھی لائے گا۔(۷)

مضمون نگار کا اسلوب اردو زبان کے قواعد کا مُنہ چڑا رہا ہے۔ حروف جار "و" "نیز" "اور" کے بے جا استعمال نے جملوں میں الفاظ کی نشست کو مضحکہ خیز بنا دیا ہے۔ مترادف الفاظ کی بھرمار نے عبارت کو مزید گنجلک کر دیا ہے۔ محاوروں کے ہاتھ پاؤں بھی خوب توڑے ہیں۔

اس زبوں حالی کے باوجود ادیب جادوانی، شوکت علی شاہ جیسے کالم نگار آج بھی نوائے وقت کی اردو کا بھرم رکھے ہوئے ہیں۔

روزنامۂ جنگ" تاریخی اعتبار سے پاکستان کا دوسرا بڑا اور مقبولیت کے لحاظ سے اردو کا پہلا بڑا اخبار ہے۔ ہم عصر اردوادب کے نمائندہ ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات کی اشاعت کے حوالے سے روزنامہ جنگ کے ادبی صفحات نے ایک عرصے تک بڑا اہم کردار ادا کیا۔ روزنامہ جنگ کی لسانی و ادبی اہمیت اس لیے بھی ہے اردو زبان وادب کے معروف لکھاریوں کی ایک بڑی تعداد اسی اخبار سے بطور کالم نگار کے وابستہ ہے۔ ان کالم نگاروں میں منوبھائی، جمیل الدین عالی، کشور ناہید، الطاف حسین قریشی، عطاء الحق قاسمی، اظہار الحق، طاہر مسعود، بشریٰ رحمان، عرفان صدیقی، ناصر زیدی، اسرار بخاری اور رضا علی عابدی جیسے معتبر ادیب شامل ہیں۔

ان ادباء کا اسلوب بذات خوداردو خوان قارئین کے ادبی ذوق کی تسکین کا بڑا ذریعۂ ہے۔" جنگ "کے موجودہ کالم نگاروں میں پروفیسر اسرار بخاری اور رضا علی عابدی کی تحریریں بالخصوص صحت زبان روزمرہ اور محاورہ کے رچاؤ کے ساتھ اردو کی تہذیبی فضا کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

> "بخدا آج تو میرے قلم نے مجھے ایسا آئینہ دکھایا کہ میں نے فیصلہ کیا آئندہ قلم لکھوائے گا اور میں لکھوں گا۔ میرے ملک کی فضا میں جو کالک اتر آئی ہے اس کو اپنے قلم کے ذریعے کاغذ پر پھیلاتا ہوں۔ قلم جو باغ و بہار لفظوں، جملوں کا عادی تھا مجھ پر اس طرح ٹوٹ کر برسا کہ مجھے قلم سے خوفناک ہیولے قرطاس پر پھیلتے نظر آئے قلم جسے میں بے جان زبان سمجھتا رہا اس نے اپنی نوکیلی زبان سے کہا تمھیں معلوم ہے کہ قلم کی قسم اللہ نے کھائی ہے۔ قلم تیری ژولیدہ فکری کے ساتھ تیرے ملک میں بعض اوقات انسانیت کے لیے عذاب نازل کر دیتا ہے قلم کو غلط استعمال کرنے سے آج وطن عزیز کے شہیدوں کی قبریں بے توقیری کی زومیں ہی۔۔۔ عظیم ترین کتاب قرآن کریم کو قلم سے لکھا اور صاحب لوح و قلم سے لکھوایا ہم قلم سے جو کچھ درست لکھتے ہیں اللہ اس کی قسم کھاتا ہے اور غلط بات کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیتا ہے۔"(۸)

رضا علی عابدی کی تحریریں بالخصوص اردو کی مخصوص تہذیب کی بوباس میں گندھی ہوتی ہیں۔ ان کی اردو میں ایک ایسا تہذیبی رچاؤ ہے جو مرزا فرحت اور بیگ شاہد احمد دہلوی اور اشرف صبوحی کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔

”وقت اپنے قدموں کے جو نشانی چھوڑ جاتا ہے وہ بھی کبھی کبھی پہلے پہلے قدم اٹھانے والے ننھے بچے کے قدموں کی چاپ بن جاتے ہیں وہ جو اچھے دن کبھی خواب ہو کے یاد آتے ہیں کہ کس طرح شمعیں جلائی جاتی تھیں اگربتیاں مہکتی تھیں اور بچے پر قرآن کا سایہ کیا جاتا تھا۔ پھر قرآن کھول کر اس کے اندر رکھا ہوا دھاگا نکالا جاتا تھا جس کے کنارے پر چاند کا چھلا بندھا ہوتا تھا اور گزرے برسوں کی یادگار گرہیں پڑی ہوتی تھیں پھر اسی قرآن کے اوپر دھاگے میں نئے برس کی گرہ لگائی جاتی تھی اور درازی عمر کی دعائیں کی جاتی تھیں کیسا غضب ہے کہ وقت وہ ساری رسمیں اڑا کر لے گیا؟ نہیں معلوم وہ دھاگا کہاں گیا؟ وہ چاندی کا چھلا کیا ہوا اور اس میں پڑی ہوئی گرہیں کہاں رہ گئیں؟ اور سب سے بڑھ کر ان گرہوں کو شمار کرنے والی وہ امّاں اور وہ باجیاں کس جہاں کو سدھار گئیں۔ اب تو لوگ اس لوہان کی خوشبو میں بسی ہماری سالگرہ کو جنم دن کہنے لگے ہیں ابھی تو دیکھنا ہے لوگ جانے اور کیا کیا کہیں گے “(۹)

رضا علی عابدی کے اردو میں ایک فطری بہاؤ ہے۔ ان کی نثر چشمے کے پانی کی طرح رواں دواں ہے۔ روزنامہ ” جنگ “ میں ایک طرف تو کوثر و تسنیم میں دُھلی اردو کے نمونے ملتے ہیں تو دوسری طرف انگریزی الفاظ اور پنجابی محاوروں سے اَٹی ایسی تحریریں بھی ملتی ہیں جو ان صاف شفاف نمونوں کے سامنے اور زیادہ گدلی دکھائی دیتی ہیں۔

روزنامہ ”جنگ “ کے دو مقبول ترین لکھاری حامد میر اور سہیل وڑائچ ہیں۔ ان دونوں کی اردو میں انگریزی اور پنجابی کے پیوند اردو کی غربت کا اعلان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ دونوں کالم نگاروں کی مشترک خصوصیت انگریزی زبان سے مرعوبیت ہے۔ وہ لکھتے تو اردو میں ہیں مگر انگریزی الفاظ کے استعمال سے قارئین پر اپنی انگریزی دانی کا رعب جمانا چاہتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی واضح صورت یہ ہے ان کے کالموں کے عنوانات تک بعض اوقات انگریزی اور اردو کا آمیزہ ہوتے ہیں۔

دونوں کے ہاں اردو روز مرّہ کے شعور کا فقدان ہے۔ اردو محاوروں میں تصرف کو روا رکھتے ہیں۔ اور پنجابی محاوروں کا تڑکا لگا کر عبارت کو چٹخارے دار بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صحت زبان کے خیال سے غافل بے دھیانی میں لکھتے چلے جاتے ہیں۔ پہلے حامد میؔر کی اردو کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ "قائد اعظم کو بطور گورنر جنرل گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے مطابق حلف اٹھانے دیا گیا تو انہوں نے حلف لینے سے انکار کر دیا" (۱۰)

(ایک ہی جملے ہیں حلف اٹھانا بھی استعمال کیا ہے اور حلف لینا بھی)

۲۔ "آپ نے ہمارا دل باغ باغ کر دیا۔"(۱۱)

(باغ باغ ہونا تو محاورہ ہے۔ دل باغ باغ کرنا اردو محاورہ نہیں)

۳۔ "کچھ لوگوں نے ان کا نام یوٹرن رکھ ڈالا ہے"(۱۲)

(نام رکھ ڈالنا محاورہ نہیں۔ نام رکھنا محاورہ ہے حامد میر نے محاورے میں تصرف کیا ہے۔)

۴۔ "تھرتھلی آمیز بیان کے بعد اگلے دن الیکشن کمیشن آف پاکستان نے فیصل واوڈا کو نااہل قرار دے دیا" (۱۳)

(تھرتھلی پنجابی اور آمیز فارسی لفظ ہے۔ دو مختلف زبانوں کے الفاظ کے پیوند سے نئی ترکیب بنانا قواعد کی رو سے درست نہیں)

انگریزی الفاظ کے استعمال کا شوق بھی حامد میر کے ہاں بہت زیادہ ہے صرف دو مثالیں دیکھئے۔

۱۔ "اسی دن کچھ دیر بعد انہوں نے مجھے تیرے دفتر میں کال کی"-----

۲۔ بعد ازاں تادرود، ایک فراڈ الیکشن کے ذریعے چیچنیا کا صدر بن گیا(۱۴)

(کال کی اور فراڈ الیکشن کے لیے اچھے بھلے اردو الفاظ فون کیا اور جعلی انتخابات استعمال کیے جاسکتے تھے۔)

حامد میر کی طرح سہیل وڑائچ بھی اردو میں انگریزی الفاظ کا بے محابا استعمال کرتے ہیں۔" نون کی کیفیوزن" کے نام سے ایک کالم میں لکھتے ہیں۔

۱۔ ”یوں لگتا ہے کہ نون کے بیانیے کی کینفیوژن نے بالا آخر اسے مضمحل کر دیا ہے شروع میں مزاحمتی بیانیہ اسے سوٹ کر تا رہا۔ ووٹر اسی کینفیوژن میں مبتلا تھے کہ اصل بیانیہ کون سا ہے“۔۔۔۔۔

۲۔ ایک زمانے میں عمران خان بھی مریم نواز کی طرح کراوڈ پلر (Crowd Puller) تھا۔“(۱۵)

۳۔ فردوس عاشق اعوان کی روحانی سائیڈ بہت محفوظ ہے(۱۶)

(روحانی اردو اور سائیڈ انگریزی کا لفظ ہے۔ دو مختلف زبانوں کے الفاظ کو ملا کر ترکیب بنانا شتر گربگی ہے۔)

سہیل وڑائچ کی اردو کے چند اور نمونے دیکھیے۔ جن میں پنجابی روزمرہ اور محاورہ کو اردو میں ٹھونس کر عبارت کو مزید اربنانے کی کوشش صاف دکھائی دیتی ہے۔

”انہوں نے سب کو آگے لگا رکھا ہے“(۱۷)

” ہر طرف لہریں بحریں ہوں گی۔“

”چھج پتاسے ونڈاں“(۱۸)

سہیل وڑائچ کی اردو میں انگریزی کے پیوند اور پنجابی کے ٹانکے عام ہیں۔ جس سے اسلوب میں ناہمواری اور لہجے ہیں لکنت کا احساس ہوتا ہے۔

وقت کی ستم ظریفی یہ ہے کہ پروفیسر اسرار بخاری اور رضا علی عابدی جیسی اردو لکھنے والے اب دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں۔ اور حامد میر اور سہیل وڑائچ جیسی اردو لکھنے والوں کا ایک ہجوم صحافتی میدان کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ مستقبل کے اردو اخبارات میں قارئین کو جو اردو پڑھنے کو ملے گی،۔ اس پر انگریزی الفاظ، مقامی محاوروں اور علاقائی لہجوں کی چھاپ اور زیادہ گہری ہو چکی ہو گی۔ اردو کی لکھنوی پھبن ماند پڑ چکی، اس کا دہلوی حسن گہنا چکا۔ اس کا لاہوری طنطنہ بھی دھیما پڑتا جارہا ہے۔ اس کی صوتی و غنائیت بے ہنگم آوازوں کے شور میں کہیں کھو گئی ہے۔ مستقبل کے اردو لکھنے اور بولنے والوں کے لیے یہ زبان اسی طرح قابل قبول ہو گی جیسے ہم نے تانگے گھوڑے کی مدھر ٹاپ کی جگہ چنگچی کے شور کو قبول کر

لیا ہے۔اور گھوڑے کی ٹاپ پرانے لوگوں کا ناسٹیلجیا بن گئی ہے۔ زبان ایک تہذیبی مظہر ہے جب کسی تہذیب کے افراد اپنی معاشی ضرورتوں کے زیر اثر دوسری تہذیبوں کے دستِ نگر ہو جائیں تو پھر محکوم تہذیب کے مظاہر کی حفاظت اور ترویج بھلا کیسے کی جا سکتی ہے۔ سکہ اور محاورہ تو غالب تہذیب ہی کا چلتا ہے۔بس اپنی تہذیب کے مظاہر کی کایا کلپ کی صورتوں کو دیکھتے جایئے اور ان کے مطابق ڈھلتے جایئے کہ یہی اصولِ فطرت ہے۔

حواشی:

۱۔ حسرت موہانی، کلیات حسرت موہانی،(لاہور: مکتبہ مصنن الادب، ۱۹۷۶ء)ص ۲۰۱

۲۔ ابوالکلام آزاد، الہلال (جلد اوّل) کلکتہ، شمارہ ۰ ۲جولائی ۱۹۱۲ء، ص ۱۲

۳۔ عتیق صدیقی (مرتب) انتخاب زمیندار،(لکھنو: اترپرویش اردو اکیڈمی، ۱۹۸۸ء) ص ۶۷

۴۔ چراغ حسن حسرت، مردم دیدہ،(لاہور: دار الاشاعت پنجاب،۱۹۳۹ء) ص ۱۵۲، ۱۵۳

۵۔ عارفہ صبح خاں، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۲اپریل ۲۰۲۳ء

۶۔ تنویر بخاری (مرتبہ) پنجابی لغت۔(لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۱ء) ص ۶۸

۷۔ طاہر محمود بھلّر (ڈاکٹر) روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۲۴ مئی ۲۰۲۳ء

۸۔ اسرار بخاری (سرِ رہ گزر) روزنامہ جنگ، لاہور ۲۱ مئی ۲۰۲۳ء

۹۔ رضا علی عابدی، (دوسرا رُخ)، روزنامہ جنگ، لاہور ۳دسمبر ۲۰۲۱ء

۱۰۔ حامد میر (قلم کمان) ۲۰روزنامہ جنگ، لاہور ۲۵ مئی ۲۰۲۳ء

۱۱۔ ایضاً ۱۱فروری ۲۰۲۲ء

۱۲۔ ایضاً ۱۰مارچ ۲۰۲۲ء

۱۳۔ ایضاً ۱۱فروری ۲۰۲۲ء

۱۴۔ ایضاً ۱۱فروری ۲۰۲۲ء

۱۵۔ سہیل وڑائچ (فیض عام) روزنامہ جنگ لاہور۔ ۲۲اپریل ۲۰۱۸ء

۱۶۔ ایضاً ۲۶اپریل ۲۰۱۸ء

۱۷۔ ایضاً ۲۶اپریل ۲۰۱۸ء

۱۸۔ ایضاً ۲۲اپریل ۲۰۱۸ء